تقریر

تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7منٹ

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو نصائح

(ملفوظات جلد3ایڈیشن1984ء)

(تقریر نمبر6)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ (العنکبوت:3)

یعنی کیا لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ایمان لائیں اور امتحان نہ ہو۔

ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے
"اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے"

سامعین کرام! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ ملفوظات کی دس جلدوں میں ذاتی اصلاح اور احبابِ جماعت کی تعلیم و تربیت و اصلاحِ احوال کے متعلق بہت قیمتی نصائح ملتی ہیں۔ آج سے ملفوظات جلد سوم کے ایڈیشن 1984ء سے چند اہم اور قیمتی نصائح آپ احباب کے سامنے پیش کرنے جا رہا ہوں۔ آج کی تقریر ملفوظات جلد سوم میں بیان نصائح کی چھٹی تقریر ہے۔

ابتلاء اور ہمّ و غم کا فائدہ

حضورؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو ایک حالت میں رکھ سکتا تھا۔ مگر بعض مصالح اور امور ایسے ہوتے ہیں کہ اس پر بعض عجیب و غریب اوقات اور حالتیں آتی رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک ہمّ و غم کی بھی حالت ہے۔ ان اختلاف حالات اور تغیّر و تبدیلِ اوقات سے اللہ تعالےٰ کی عجیب در عجیب قدرتیں اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے۔

اگر دنیا بیک دستور ماندے
بسا اسرار ہا مستور ماندے

جن لوگوں کو کوئی ہمّ و غم دنیا میں نہیں پہنچتا اور جو بجائے خود اپنے آپ کو بڑے ہی خوش قسمت اور خوشحال سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار اور حقائق سے ناواقف اور نا آشنا رہتے ہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ مدرسوں میں سلسلہ تعلیم کے ساتھ یہ بھی لازمی رکھا گیا ہے کہ ایک خاص وقت تک لڑکے ورزش بھی کریں۔ اس ورزش اور قواعد وغیرہ سے جو سکھائی جاتی ہے۔ سررشتہ تعلیم کے افسروں کا یہ منشا تو ہو نہیں سکتا کہ اِن کی کسی لڑائی کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ وقت ضائع کیا جاتا ہے اور لڑکوں کا وقت کھیل کود میں دیا جاتا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اعضاء جو حرکت کو چاہتے ہیں۔ اگر اُن کو بالکل بیکار چھوڑ دیا جائے تو پھر ان کی طاقتیں زائل اور ضائع ہو جاویں اور اس طرح پر اُس کو پُورا کیا جاتا ہے۔ بظاہر ورزش کرنے سے اعضاء کو تکلیف اور کسی قدر تکان اُن کی پرورش اور صحت کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح پر ہماری فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ تکلیف کو بھی چاہتی ہے تا کہ تکمیل ہو جاوے اس لئے اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہوتا ہے جو وہ انسان کو بعض اوقات ابتلاؤں میں ڈال دیتا ہے۔ اِس سے اس کی رضا بالقضا اور صبر کی قوتیں بڑھتی ہیں۔ جس شخص کو خدا پر یقین نہیں ہوتا اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ذرا سی تکلیف پہنچنے پر گھبرا جاتے ہیں اور وہ خود کشی میں آرام دیکھتا ہے۔ مگر انسان کی تکمیل اور تربیت چاہتی ہے کہ اُس پر اس قسم کی ابتلا آویں اور تا کہ اللہ تعالےٰ پر اس کا یقین بڑھے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن جن کو تفرقہ اور ابتلا نہیں آتا اُن کا حال دیکھو کہ کیسا ہوتا ہے۔ وہ بالکل دنیا اور اس کی خواہشوں میں منہمک ہو گئے ہیں۔ اُن کا سر اوپر کی طرف نہیں اُٹھتا۔ خدا تعالیٰ کا اُن کو بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کو ضائع کر دیا اور بجائے اس کے ادنیٰ درجہ کی باتیں حاصل کیں۔ کیونکہ ایمان اور عرفان کی ترقی ان کے لئے وہ راحت اور اطمینان کے سامان پیدا کرتے جو کسی مال و دولت اور دنیا کی لذّت میں نہیں ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ ایک بچہ کی طرح آگ کے انگارہ پر خوش ہو جاتے ہیں اور اُس کی سوزش اور نقصان رسانی سے آگاہ نہیں۔ لیکن جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور جن کو ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال کرتا ہے اُن پر ابتلا آتا ہے۔

جو کہتے ہیں کہ ہم پر کوئی ابتلا نہیں آیا۔ وہ بد قسمت ہیں۔ وہ ناز و نعمت میں رہ کر بہائم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کی زبان ہے مگر وہ حق بول نہیں سکتی۔ خدا کی حمد و ثنا اس پر جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف فسق و فجور کی باتیں کرنے کے لئے اور مزہ چکھنے کے واسطے ہے۔ اُن کی آنکھیں ہیں۔ مگر وہ قدرت کا نظارہ نہیں دیکھ سکتیں بلکہ وہ بدکاری کے لئے ہیں۔ پھر اُن کو خوشی اور راحت کہاں سے میسّر آتی ہے۔ یہ مت سمجھو کہ جس کو ہمّ و غم پہنچتا ہے۔ وہ بد قسمت ہے نہیں! خدا اُس کو پیار کرتا ہے۔ جیسے مرہم لگانے سے پہلے چیرنا اور جرّاحی کا عمل ضروری ہے۔ غرض یہ انسانی فطرت میں ایک امر واقع شدہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور اس میں کیا کیا بلائیں اور حوادث آتے ہیں۔ ابتلاؤں میں ہی دُعاؤں کے عجیب غریب خواص اور اثر ظاہر ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے۔ کہ ہمارا خدا تو دُعاؤں ہی سے پہچانا جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 199-201)

خدا سے ابتلا کی حالت میں روٹھنا نہیں چاہئے

ایک دوست کو دشمنوں نے سخت تکلیف دی اور ان کی شکائتیں بھی افسران بالا دست سے کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو وہاں سے تبدیل ہونا پڑا۔ انہوں نے اس کے متعلق دعا کے لئے عرض کیا کہ اس سے دشمن خوش ہوں گے یہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے متعلق جو فرمایا اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

"خدا کے ساتھ روٹھنا نہیں چاہئے اور خدا تعالیٰ کا شکوہ کرنا کہ اس نے ہماری نصرت نہیں کی سخت غلطی ہے۔ مومنوں پر ابتلا آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک کیسی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ طائف میں گئے تو پتھر پڑے۔ اس وقت جبکہ آپؐ کے بدن سے خون جاری تھا۔ آپؐ نے کیسا صدق اور وفا کا نمونہ دکھایا اور کیا پاک الفاظ فرمائے کہ یا اللہ! مَیں یہ سب تکلیفیں اس وقت تک اُٹھاتا رہوں گا جبتک تو راضی ہو۔ امتحان کا ہونا ضروری ہے۔ نبیوں اور صادقوں پر ابتلا آتے ہیں۔ حضرت مسیح کو دیکھو کہ کیسا ابتلا آیا ایلی ایلی لما سبقتنی۔ کہنا پڑا۔ یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ غرض مومن کو گھبرانا نہیں چاہئے اور خدا سے رُوٹھنا نہیں چاہئے۔"

اس مضمون پر ایک لمبی تقریر حضرت اقدسؑ نے فرمائی جس کا خلاصہ آپؑ ہی کے اشعار میں یہ ہے۔

"صادق آں باشد کہ ایام بلا
مے گذارد با محبت با وفا

(الہامی)

گر قضا را عاشقے گردد اسیر
بوسد آن زنجیر را کز آشنا"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 373)

بدظنّی سے بچو

"جو شخص ایمان لاتا ہے۔ اسے اپنے ایمان سے یقین اور عرفان تک ترقی کرنی چاہئے نہ یہ کہ وہ پھر ظن میں گرفتار ہو۔ یاد رکھو! ظن مفید نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِی مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔ یقین ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بامراد کر سکتی ہے۔ یقین کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اگر انسان ہر بات پر بدظنّی کرنے لگے تو شاید ایک دم بھی دنیا میں نہ گزار سکے۔ وہ پانی نہ پی سکے کہ شاید اس میں زہر ملا دیا ہو۔ بازار کی چیزیں نہ کھا سکے کہ ان میں ہلاک کرنے والی کوئی شئے ہو پھر کس طرح وہ رہ سکتا ہے۔ یہ ایک موٹی مثال ہے۔ اسی طرح پر انسان رُوحانی اُمور میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اب تم خود یہ سوچ لو اور اپنے دلوں میں فیصلہ کر لو کہ کیا تم نے میرے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے اور مجھے مسیح موعود، حَکَم، عَدل مانتا ہے تو اس ماننے کے بعد میرے کسی فیصلہ یا فِعل پر اگر دل میں کوئی کدُورت یا رنج آتا ہے تو اپنے ایمان کا فِکر کرو۔

وہ ایمان جو خدشات اور توہمات سے بھرا ہوا ہے، کوئی نیک نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں ہو گا۔ لیکن اگر تم نے سچے دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ کہ مسیح موعود واقعی حَکَم ہے تو پھر اس کے حکم اور فِعل کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دو اور اس کے فیصلوں کو عزّت کی نگاہ سے دیکھو تا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک باتوں کی عزّت اور عظمت کرنے والے ٹھہرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شہادت کافی ہے وہ تسلّی دیتے ہیں کہ وہ تمہارا امام ہو گا وہ حَکَم عَدل ہو گا۔ اگر اس پر تسلّی نہیں ہوئی تو پھر کب ہو گی۔ یہ طریق ہر گز اچھّا اور مُبارک نہیں ہو سکتا کہ ایمان بھی ہو اور دل کے بعض گوشوں میں بدظنّیاں بھی ہوں۔ مَیں اگر صادق نہیں ہوں تو پھر جاؤ اَور صادق تلاش کرو اور یقیناً سمجھو کہ اس وقت اَور صادق نہیں مل سکتا۔ اور پھر اگر دوسرا کوئی صادق نہ ملے اور نہیں ملے گا تو پھر مَیں اتنا حق مانگتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ کو دیا ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 74- 75)

گوشہ نشینی کی زندگی بہشتی زندگی ہے

فرمایا:

"دنیا کی کشمکش کی زندگی میں لذّت نہیں۔ اگر خدا تعالےٰ کسی کو بیٹھے بٹھائے گزارہ دے دے تو کچھ ضرورت نہیں کہ انسان اہل حکومت کے پاس جاوے۔ ان لوگوں کے پاس جانا یہ بھی ایک قسم کا دوزخ ہے۔ ان لوگوں کی حالت خارش کی طرح ہے کہ جو ایک مرض ہے اور کھجلانے والوں کو اس میں ایک لذّت ملتی ہے لیکن وہ شخص احمق ہی ہو گا جو اس لذّت کو پسند کرے۔ اسی طرح حکام کے دروازوں پر جانا ایسا ہی ہے۔ گوشہ نشینی کی زندگی ایک قسم کی بہشتی زندگی ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

بچپن میں جو بچوں کو مدرسہ میں بٹھاتے ہیں۔ اس کی کشمکش ساری عمر یاد رہتی ہے۔ استاد کی حکومت کے نیچے ایک قسم کی تلخی معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اس وقت تک بھی یاد ہے کہ چھٹی کے دن کے بعد یعنی ہفتہ کو جو مدرسہ کا جانا ہوتا تھا تو سخت ناگوار گزرا کرتا تھا اور تو کچھ یاد نہیں رہا مگر یہ درد ضرور یاد ہے کہ مدرسہ جانا ایک درد محسوس ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ مرض کے خلاف بھی ایک درد ہی ہوا کرتا ہے اور جو لوگ حکام کے دروازوں پر جاتے ہیں جیسے ذیلدار وغیرہ یا اور اسی قسم کے لوگ یہ عجیب عجیب قسم کے ابتلا میں پھنس جاتے ہیں بعض کو رشوت لینے کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ آدمی بڑا ہی خوش نصیب ہے اور اس کو خدا کا شکر کرنا چاہیے جو کسی حکومت کے نیچے نہیں اور جسے فکر نہیں کہ رات کو یا دن کو کوئی آواز آئے گی۔ بعض لوگ اَسِیسَہ (تشخیص کرنے والا۔ حَکَم) ہونے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ وہ بڑے پابند ہوتے ہیں۔ ایک بار ایک اَسِیسَر کو جو اپنے وقت پر نہیں آیا تھا۔ سزا ہوئی۔ اُس نے کہا کہ مَیں شادی پر یا کہیں اور گیا ہوا تھا۔ حاکم نے اُسے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہ تھا۔ کہ مَیں اَسِیسَر ہوں اور سزا دے دی۔ آخر چیف کورٹ نے اس کو بَری کر دیا۔ غرض اس قسم کے مصائب اور مشکلات ہوتی ہیں اور پھر ان بیچاروں کی حالت تا تریاق از عراق آوردہ شود کی مصداق ہو جاتی ہے خواہ اپیل میں بَری ہو جاویں۔ مگر وہ بے عزتی اور مصائب کا ایک بار تو منہ دیکھ لیتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے۔ سعدی نے

کس نیاید بخانہ درویش
کہ خراج یوم دباغ گزار

جس قدر انسان کشمکش سے بچا ہوا ہوا اُسی قدر اُس کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ کشمکش والے کے سینہ میں آگ ہوتی ہے اور وہ مصیبت میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں یہی آرام ہے کہ کشمکش سے نجات ہو۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا۔ راستہ میں ایک فقیر بیٹھا تھا جس نے بمشکل اپنا ستر ہی ڈھانکا ہوا تھا۔ اُس نے اُس سے پوچھا کہ سائیں جی کیا حال ہے؟ فقیر نے اُسے جواب دیا کہ جس کی ساری مرادیں پوری ہو گئی ہوں۔ اس کا حال کیسا ہوتا ہے؟ اُسے تعجب ہوا کہ تمہاری ساری مرادیں کس طرح حاصل ہو گئی ہیں۔ فقیر نے کہا جب ساری مرادیں ترک کر دیں تو گویا سب حاصل ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب یہ سب حاصل کرنا چاہتا ہے تو تکلیف ہی ہوتی ہے لیکن جب قناعت کر کے سب کو چھوڑ دے تو گویا سب کچھ ملنا ہوتا ہے۔ نجات اور مُکتی یہی ہے کہ لذّت ہو دکھ نہ ہو۔ دُکھ والی زندگی تو نہ اِس جہان کی اچھی ہوتی ہے اور نہ اُس جہان کی۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں وہ گویا اپنی کھال اُتارتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ زندگی تو بہر حال ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ برف کے ٹکڑہ کی طرح ہے خواہ اس کو کیسی ہی صندوقوں اور کپڑوں میں لپیٹ کر رکھو لیکن وہ پگھلتی ہی جاتی ہے۔ اِسی طرح پر خواہ زندگی کے قائم رکھنے کی کچھ بھی تدبیریں کی جاویں۔ لیکن یہ سچی بات ہے کہ وہ ختم ہوتی جاتی ہیں اور روز بروز کچھ نہ کچھ فرق آتا ہی جاتا ہے۔ دنیا میں ڈاکٹر بھی ہیں۔ طبیب بھی ہیں۔ مگر کسی نے عمر کا

نسخہ نہیں لکھا۔ جب لوگ بڈھے ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن کو خوش کرنے کو بعض لوگ آجاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ابھی تمہاری عمر کیا ہے؟ ساٹھ برس کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ رحمت علی ایک مذکوری تھا۔ اس کا بیٹا فقیر علی منصف ہو گیا تھا اور لوگ اس وجہ سے اس کی عزت بھی کیا کرتے تھے۔ ڈپٹی قائم علی نے ایک دفعہ اس سے پوچھا کہ تمہاری کیا عمر ہے؟ اُس نے کہا کہ 55 سال کی ہو گی حالانکہ وہ 65 سال کا تھا۔ قائم علی نے اس کو کہا کہ کیا ہوا۔ ابھی تو بچے ہو۔ خود بھی وہ یہی عمر بتایا کرتا تھا۔ مَیں نے کہا کہ 55 کا سال بڑا مشکل ہے۔ یہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ غرض انسان عمر کا خواہشمند ہو کر نفس کے دھوکوں میں پھنسا رہتا ہے۔ دُنیا میں عمریں دیکھتے ہیں کہ 60 کے بعد تو قویٰ بالکل گداز ہونے لگتے ہیں۔ بڑا ہی خوش قسمت ہوتا ہے۔ جو 80 یا 82 تک عمر پائے اور قویٰ بھی کسی حد تک اچھے رہیں ورنہ اکثر نیم سودائی سے ہو جاتے ہیں۔ اُسے نہ تو پھر مشورہ میں داخل کرتے ہیں اور نہ اس میں عقل اور دماغ کی کچھ روشنی باقی رہتی ہے بعض وقت ایسی عمر کے بڈھوں پر عورتیں بھی ظلم کرتی ہیں کہ کبھی کبھی روٹی دینی بھی بھول جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ درجوانی کار دو جہانی کن۔ اور مشکل یہ ہے کہ انسان جوانی میں مست رہتا ہے اور مَرنا یاد نہیں رہتا۔ بُرے بُرے کام اختیار کرتا ہے اور آخر میں جب سمجھتا ہے تو پھر کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ غرض اس جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

نشان زندگانی تا بسی سال
چو چل آمد فرو ریزد پرو بال

انحطاط عمر کا 40 سال سے شروع ہو جاتا ہے۔ 30 یا 35 برس تک جس قدر قد ہونا ہوتا ہے۔ وہ پُورا ہو جاتا ہے اور بعد اس کے بڈھے ہو کر پھُولنا شروع ہو جاتا ہے اور پھولنے کا نتیجہ فالج ہو جاتا ہے... جس قدر ارادے آپ نے اپنی عمر میں کئے ہیں۔ اُن میں سے بعض پورے ہوئے ہونگے مگر اب سوچ کر دیکھو کہ وہ ایک بُلبُلہ کی طرح تھے جو فوراً معدوم ہو جاتے ہیں اور ہاتھ پلّے کچھ نہیں پڑتا۔ گزشتہ آرام سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے تصوّر سے دُکھ بڑھتا ہے۔ اس سے عقلمند کے لئے یہ بات نکلتی ہے کہ انسان ابن الوقت ہو۔ رہی زندگی انسان کی جو اس کے پاس موجود ہے۔ جو گزر گیا۔ وہ وقت مر گیا۔ اس کے تصوّرات بیفائدہ ہیں۔ دیکھو! جب ماں کی گود میں ہوتا ہے۔ اس وقت کیا خوش ہوتا ہے۔ سب اُٹھائے ہوئے پھرتے ہیں۔ وہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ گویا بہشت ہے اور اب یاد کر کے دیکھو کہ وہ زمانہ کہاں؟ سعدی کہتا ہے۔

من آنگہ سر تا جور داشتم
کہ بر فرق ظلّ پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستے مگس
پر پریشان شد خاطرے چند کس

یہ زمانے پھر کہاں مل سکتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ چلا جاتا تھا۔ چند چھوٹے لڑکوں کو دیکھ کر رو پڑا کہ جب سے اس صحبت کو چھوڑا۔ دُکھ پایا ہے۔ پیرانہ سالی کا زمانہ بُرا ہے۔ اس وقت عزیز بھی چاہتے ہیں کہ مر جاوے اور مرنے سے پہلے قویٰ مر جاتے ہیں۔ دانت گر جاتے ہیں۔ آنکھیں جاتی رہتی ہیں اور خواہ کچھ ہی ہو۔ آخر پتھر کا پُتلا ہو جاتا ہے۔ شکل تک بگڑ جاتی ہے۔ اور بعض ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ آخر خودکشی کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات جن دکھوں سے بھاگنا چاہتا ہے۔ یکدفعہ ان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر اولاد ٹھیک نہ ہو تو اور بھی دُکھ اُٹھاتا ہے۔ اس وقت سمجھتا ہے کہ غلطی کی اور عمر یونہی گزر گئی۔ مگر دوہرا

آگے کے دن پاچھے گئے
برخدا سے کیو نہ ہیت
اب پچھتائے کیا ہوت ہے
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

عقلمند وہی ہے جو خدا کی طرف توجہ کرے خدا کو ایک سمجھے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں۔ ہم نے آزما کر دیکھا ہے۔ نہ کوئی دیوی نہ دیوتا۔ کوئی کام نہیں آتا۔ اگر یہ صرف خدا کی طرف نہیں جھکتا تو کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔ اگر کوئی آفت آجاوے تو کوئی نہیں پوچھتا۔ انسان پر ہزاروں بلائیں آتی ہیں۔ پس یاد رکھو کہ ایک پروردگار کے سوا کوئی نہیں۔ وہی ہے جو ماں کے دل میں بھی محبت ڈالتا ہے۔ اگر اس کے دل کو ایسا پیدا نہ کرتا تو وہ بھی پرورش نہ کر سکتی۔ اس لئے اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 421- 425)

سامعین! میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک مَوت کو چاہتا ہے

فرمایا:

"آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ سعید الفطرت ہوتے ہیں جو پہلے ہی مان لیتے ہیں یہ لوگ بڑے ہی دُور اندیش اور باریک بین ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ تھے اور ایک بیوقوف ہوتے ہیں۔ جب سر پر آپڑتی ہے تب کچھ چونکتے ہیں۔ اس لئے تم اس سے پہلے کہ خدا کا غضب آجاوے، دُعا کرو اور اپنے آپ کو خدا کی پناہ اور حفاظت میں دے دو۔ دعا اُس وقت قبول ہوتی ہے جب دل میں درد اور رقت پیدا ہو اور مصائب اور غضبِ الٰہی دور ہو لیکن جب بلا سر پر آئی ہے بیشک اس وقت بھی ایک درد پیدا ہوتا ہے مگر وہ درد قبولیت دعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یقیناً سمجھو کہ اگر مصیبت سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کروگے اور خدا تعالیٰ کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے گریہ وبُکا کروگے تو تمہارے خاندان اور تمہارے بچے طاعون کے عذاب سے بچائے جائیں گے۔ اگر دنیاداروں کی طرح رہوگے تو اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ تم نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک مَوت کو چاہتا ہے تاکہ تم نئی زندگی میں ایک اور پیدائش حاصل کرو۔

بیعت اگر دل سے نہیں تو کوئی نتیجہ اس کا نہیں۔ میری بیعت سے خدا دل کا اقرار چاہتا ہے۔ پس جو سچے دل سے مجھے قبول کرتا اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے۔ غفور و رحیم خدا اس کے گناہوں کو ضرور بخش دیتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے نکلا ہے تب فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک گاؤں میں اگر ایک آدمی نیک ہو تو اللہ تعالیٰ اس نیک کی رعایت اور خاطر سے اس گاؤں کو تباہی سے محفوظ کر لیتا ہے لیکن جب تباہی آتی ہے تو پھر سب پر پڑتی ہے مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں کو کسی نہ کسی نہج سے بچالیتا ہے۔ سنّت اللہ یہی ہے کہ اگر ایک بھی نیک ہو تو اس کے لئے دوسرے بھی بچائے جاتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ کا قصّہ ہے کہ جب لُوط کی قوم تباہ ہونے لگی۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر سَو میں سے ایک ہی نیک ہو تو کیا تباہ کر دے گا۔ کہا نہیں۔ آخر ایک تک بھی نہیں کروں گا۔ فرمایا۔ لیکن جب بالکل حد ہی ہو جاتی ہے تو پھر لَا یَخَافُ عُقبٰھَا۔ خدا کی شان ہوتی ہے۔ پلیدوں کے عذاب پر وہ پرواہ نہیں کرتا کہ اُن کی بیوی بچوں کا کیا حال ہو گا اور صادقوں اور راستبازوں کے لئے کَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحاً کی رعایت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور خضر کو حکم ہوا تھا کہ ان بچوں کی دیوار بنادو۔ اس لئے کہ ان کا باپ نیک بخت تھا۔ اور اس کی نیک بختی کی خدا نے ایسی قدر کی کہ پیغمبر راج مزدور ہوئے۔ غرض ایسا تو رحیم کریم ہے لیکن اگر کوئی شرارت کرے اور زیادتی کرے تو پھر بہت بُری طرح پکڑتا ہے۔ وہ ایسا غیّور ہے کہ اس کے غضب کو دیکھ کر کلیجہ پھٹتا ہے۔ دیکھو! لُوط کی بستی کو کیسے تباہ کر ڈالا۔ اِس وقت بھی دنیا کی حالت ایسی ہی ہو رہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو کھینچ لائی ہے۔ تم بہت اچھے وقت آگئے ہو۔ اب بہتر اور مناسب یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو بدلا لو۔ اپنے اعمال میں اگر کوئی انحراف دیکھو تو اُسے دور کرو۔ تم ایسے ہو جاؤ کہ نہ مخلوق کا حق تم پر باقی رہے نہ خدا کا۔ یاد رکھو! جو مخلوق کا حق دباتا ہے اُس کی دُعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ ظالم ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 261-263)

سامعین! بیعت بازیچہ اطفال نہیں ہے

حضورؑ فرماتے ہیں:

"یاد رکھو کہ بیعت کے بعد تبدیلی کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اگر بیعت کے بعد اپنی حالت میں تبدیلی نہ کی جاوے۔ تو پھر یہ استخفاف ہے۔ بیعت بازیچہ اطفال نہیں ہے۔ در حقیقت وہی بیعت کرتا ہے جس کی پہلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ ہر ایک امر میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ پہلے تعلقات معدوم ہو کر نئے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ جب صحابہ مسلمان ہوتے تو بعض کو ایسے امور پیش آتے تھے کہ احباب رشتہ دار سب سے الگ ہونا پڑتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابو جہل کے ساتھ اسلام سے پہلے ملتے تھے بلکہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے منصُوبہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاوے اور کچھ روپیہ بھی بطور انعام مقرر کیا۔ حضرت عمر اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کو تیز کیا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر حضرت عمر کو پتہ ملا کہ آدھی رات کو آپ کعبہ میں آکر نماز پڑھتے ہیں چنانچہ یہ کعبہ میں آکر چھپ رہے اور انہوں نے سنا کہ جنگل کی طرف سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز آتی ہے اور وہ آواز قریب آتی گئی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں آداخل ہوئے اور آپؐ نے نماز پڑھی۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ آپؐ نے سجدہ میں اس قدر مناجات کی کہ مجھے تلوار چلانے کی جرات نہ رہی۔ چنانچہ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ آگے چلے۔ پیچھے پیچھے مَیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور آپؐ نے پوچھا کون ہے؟۔ مَیں نے کہا کہ عمر۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اے عمر! نہ تو دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ رات کو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے محسوس کیا کہ آپ بد دعا کریں گے۔ اس لئے مَیں نے کہا کہ حضرت! آج کے بعد مَیں آپ کو ایذا نہ دوں گا۔ عربوں میں چونکہ

وعدہ کالحاظ بہت بڑا ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے یقین کر لیا۔ مگر دراصل حضرت عمرؓ کا وقت آپہنچا تھا۔ آنحضرتؐ کے دل میں گزرا کہ اس کو خدا ضائع نہیں کرے گا چنانچہ آخر حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اور پھر وہ دوستیاں وہ تعلقات جو ابو جہل اور دوسرے مخالفوں سے تھے یکلخت ٹوٹ گئے اور ان کی جگہ ایک نئی اخوّت قائم ہوئی حضرت ابو بکرؓ اور دوسرے صحابہ ملے اور پھر ان پہلے تعلقات کی طرف کبھی خیال تک نہ آیا۔

غرض اس سلسلہ میں جو ابتلاؤں کا سلسلہ ہوتا ہے۔ بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور بہت سی موتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ ان انسانوں میں جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ان میں بعض بزدل بھی ہوتے ہیں۔ شجاع بھی ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بزدل ہوتے ہیں کہ صرف قوم کی کثرت کو دیکھ کر ہی الگ ہو جاتے ہیں۔ انسان بات کو تو پورا کر لیتا ہے مگر ابتلا کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔ یعنی کیا لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ایمان لائیں اور امتحان نہ ہو۔ غرض امتحان ضروری شئے ہے۔ اس سلسلہ میں جو داخل ہوتا ہے وہ ابتلا سے خالی نہیں رہ سکتا۔ ہمارے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ ایک طرف ہیں اور باپ الگ۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 339-341)

یاد رکھو! نِری زیارتوں سے کچھ نہیں ہوتا

فرمایا:

"دیکھو! آپ نے میری بیعت کی۔ جو شخص بیعت میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مقاصد کو مد نظر رکھے جو بیعت سے ہیں۔ یہ امور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاوے۔ اصل منشاء اور مدّعا سے دور ہیں۔ انسان کا اصل منشاء یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن شریف میں بھی یہ اصل مقصد نہیں رکھا گیا۔ بلکہ فرمایا ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اصل غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّی اتباع ہے۔ جب انسان آپؐ کی اتباع میں کھویا جاتا ہے۔ تو ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ ضمناً زیارت بھی ہو جاوے۔ جیسے کوئی میزبان کسی کی دعوت کرتا ہے۔ تو وہ اس کے لئے عمدہ کھانے لاتا ہے۔ لیکن ان کھانوں کے ساتھ وہ ایک دستر خوان بھی لے آتا ہے۔ ہاتھ بھی دُھلائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اصل مقصد تو کھانا ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کرتا ہے۔ وہ اس کو اپنا مقصد ٹھہراتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی زیارت کا ہو جانا بھی کسی وقت ممکن ہے۔ دیکھو! بہت سے لوگ یہاں جو بیعت کرنے کے لئے آتے ہیں وہ مجھے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں وہ تبدیلی جو میری اصل غرض ہے اور جس کے لئے مَیں بھیجا گیا ہوں، نہیں ہوتی تو میرے دیکھنے سے اُن کو کیا فائدہ ہوا؟

اس طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے اور اس کی کچھ بھی قدر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں جس نے گو سارے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی ہو۔ مگر وہ سچا اخلاص وفاداری اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان خشیۃُ اللہ اور تقویٰ اس کے دل میں نہ ہو۔ پس یاد رکھو! نِری زیارتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے جو پہلی دُعا سکھلائی ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کا اصل مقصود زیارت ہوتا تو وہ اِھْدِنَا کی جگہ اَرِنَا صُوَرَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دعا تعلیم فرماتا۔ جو نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں دیکھ لو کہ آپؐ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے ابراہیم علیہ السّلام کی زیارت ہو جائے گو آپؐ کو معراج میں سب کی زیارت بھی ہو گئی۔ پس یہ امر مقصود بالذّات ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ اصل مقصد سچّی اتباع ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 315-316)

سامعین! پیشگوئیوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے

فرمایا:

"احادیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اپنے خواب کو بھی سچا کرنے کی کوشش کرو چہ جائیکہ نبی کریم کی پیشگوئی۔ جس شخص کو ایسا موقعہ ملے اور وہ عمل نہ کرے اور اس کو پورا کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ وہ دشمنِ اسلام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ جھوٹا ٹھہرانا چاہتا ہے اور آپؐ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقعہ دینا چاہتا ہے۔ صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر اپنی معرفت اور ایمان میں ترقی دیکھتے تھے اور وہ اس قدر عاشق تھے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو جاتے اور پیشگوئی کے طور پر کہہ دیتے کہ فلاں منزل پر نماز جمع کریں گے اور اُن کو موقعہ مل جاتا تو وہ خواہ کچھ ہی ہوتا، ضرور جمع کر لیتے اور خود آنحضرتؐ کی طرف ہی دیکھو کہ آپؐ پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے کس قدر مشتاق تھے۔

ہم کو کوئی بتائے کہ آپ حدیبیہ کی طرف کیوں گئے۔ کیا کوئی وقت اُن کو بتایا گیا تھا اور کسی میعاد سے اطلاع دی گئی تھی، پھر کیا بات تھی؟ یہی وجہ تھی کہ آپؐ چاہتے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی پوری ہو جائے۔ یہ ایک باریک سِرّ اور دقیق معرفت کا نکتہ ہے جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ کہ انبیاء اور اہلُ اللہ کیوں پیشگوئیوں کے پورا کرنے اور ہونے کی ایک غیر معمولی رغبت اور تحریک اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔

جس قدر انبیاء علیہم السّلام گزرے ہیں یا اہلُ اللہ ہوئے ہیں۔ اُن کو فطرۃً رغبت دی جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو پورا کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہوتے ہیں۔ مسیح نے اپنی جگہ داؤدی تخت کو بحالی والی پیشگوئی کے لئے کس قدر سعی اور کوشش کی کہ اپنے شاگردوں کو یہاں تک حکم دیا کہ جس کے پاس تلواریں اور ہتھیار نہ ہوں وہ اپنے کپڑے بیچ کر ہتھیار خریدے اب اگر اس پیشگوئی کو پورا کرنے کی وہ فطری خواہش اور آرزُو نہ تھی جو انبیاء علیہم السّلام میں ہوتی ہے تو کوئی ہم کو بتائے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ اور ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم میں اگر یہ طبعی جوش نہ تھا تو آپؐ کیوں حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے جبکہ کوئی میعاد اور وقت بتایا نہیں گیا تھا؟ بات یہی ہے کہ یہ گو وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کی حُرمت اور عِزّت کرنا ہے اور چونکہ ان نشانات کے پورا ہونے پر معرفت اور یقین میں ترقی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ پُورے ہوں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جب کوئی نشان پورا ہوتا تو سجدہ کیا کرتے تھے۔ جب تک دل دھوئے نہ جاویں اور ایمان حجاب اور زنگ کی تہوں سے صاف نہ کیا جاوے، سچّا اسلام اور سچّی توحید جو مدار نجات ہے حاصل نہیں ہو سکتی اور دل کے دھونے اور ان حُجب ظلمانیہ کے دور کرنے کا آلہ یہی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں جن سے خود خدا تعالیٰ کی ہستی اور نبوت پر ایمان پیدا ہوتا ہے اور جب تک سچّا ایمان نہ ہو۔ جو کچھ کرتا ہے، وہ صرف رسوم اور ظاہر داری کے طور پر کرتا ہے۔

پس جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بات تھی۔ تو میرا نُور قلب کب اس کے خلاف کرنے کی رائے دے سکتا تھا۔ اس لئے مَیں نے چاہا کہ یہ ہونا چاہئے تا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیش گوئی پوری ہو۔ ممکن تھا کہ ایسے واقعات پیش نہ آتے۔ لیکن جب ایسے امور پیش آگئے کہ جن میں مصروفیت ازبس ضروری تھی اور توجہ ٹھیک طور پر چاہئے تھی۔ تو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا اور وہ پوری ہوئی۔ اسی طرح پر جیسے خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 66-68)

(کمپوزڈ: مسز بقعۃ النور عمران۔ جرمنی)